بسم اللہ الرحمن الرحیم

الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ وَالصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ عَلَى خَاتَمِ الأَنْبِيَاءِ وَالْمُرْسَلِين، نَبِيِّنَا مُحَمَّدٍ وَعَلَى آلِهِ وَصَحْبِهِ أَجْمَعِين، أَمَّا بَعْدُ:

19-شرح العقیدۃ الواسطیۃ

العقیدۃ الواسطیۃ الشیخ الاسلام الامام ابو العباس احمد ابن تیمیہ رحمہ اللہ، شرح فضیلۃ الشیخ العلامہ محمد بن صالح ابن عثیمین رحمہ اللہ۔

اور ہم پہنچے تھے شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کے اس جملے پر " فإنه سبحانه أعلم بنفسه وبغيره، وأصدق قيلاً وأحسن حديثاً من خلقه" (اور بے شک اللہ سبحانہ وتعالیٰ "أعلم بنفسه وبغيره" اپنے لیے سب سے زیادہ علم رکھنے والے ہیں اور دوسروں سے بھی اپنا علم (اپنے تعلق سے علم) سب سے زیادہ رکھنے والے ہیں) "وأصدق قيلاً" (سب سے زیادہ سچے ہیں) "وأحسن حديثاً من خلقه" (اور مخلوقات میں سے سب سے بہترین حدیث کہنے والے ہیں)۔

شیخ ابن عثیمین رحمہ اللہ فرماتے ہیں یہ جملہ جو ہے شیخ اسلام رحمہ اللہ کا یہ توطئۃ کے طور پر ہے (یعنی اصل بات ابھی شروع ہونے والی ہے) جو عقیدہ بیان کرنا ہے اور خصوصی طور پر اللہ تعالیٰ کے اسماء وصفات کے تعلق سے، تو جو نصوص بیان کیے جائیں وہ خصوصی طور پر قرآن مجید کی آیات تو وہ قبول کرنا لازمی ہیں وہ نصوص جن میں اللہ تعالیٰ کے اسماء وصفات کا بیان ہے اُن نصوص کو قبول کرنا واجب ہے اور خصوصی طور پر جب اُن میں یہ خوبصورت اوصاف پائے جائیں۔

یعنی کسی شخص کی خبر کو قبول کرنے کے لیے اس کی شرطیں ہوتی ہیں یا اسباب سمجھ لیں ہوتے ہیں جب یہ جمع ہو جائیں پھر خبر کو قبول کرنا واجب ہو جاتا ہے (یعنی انکار کرنے کا کوئی راستہ باقی نہیں رہتا یا کوئی وجہ باقی نہیں رہتی اور ان کو یاد کر لیں آپ)۔ کوئی شخص جب کوئی خبر دیتا ہے اس خبر کی دلالت کو ماننا واجب ہو جاتا ہے جب یہ چار وصف اس میں پائے جائیں (خبر دینے والے میں پائے جائیں):

1-سب سے پہلے "أن يكون صادراً عن علم" کہ خبر جو ہے اس کی جو سورس (Source) ہے جو منبع ہے علم کی بنیاد پر ہو اور اس کی طرف اشارہ جو ہے شیخ الاسلام رحمہ اللہ نے اس جملے میں بیان کیا ہے "فإنه أعلم بنفسه وبغيره" (بے شک اللہ تعالیٰ سب سے زیادہ اپنے تئیں اور دوسروں کا علم رکھنے والے ہیں)۔

2-دوسری "الثاني: الصدق" (سچ) "وأشار إليه بقوله: وأصدق قيلاً" (اور سچ کی طرف اشارہ جو ہے اس جملے میں ہے شیخ الاسلام کے "وأصدق قيلاً" سب سے زیادہ سچے ہیں)۔

3-اور تیسرا وصف جو ہے "البيان والفصاحة" (فصاحت اور بیان جو ہے) "وأشار إليه بقوله" (اور اس کی طرف اشارہ شیخ الاسلام کے اس جملے میں ہے) "وأحسن حديثاً" (سب سے بہترین بات یا حدیث)۔

4-اور چوتھا وصف جو ہے جو اس جملے میں تو نہیں ہے شیخ ابن عثیمین رحمہ اللہ بیان فرماتے ہیں "سلامة القصد والإرادة" (نیک ارادہ ہو) "بأن يريد المخبر هداية من أخبرهم" (کہ خبر دینے والا جو ہے وہ جن کو خبر دی جارہی ہے ان کی ہدایت کا ارادہ رکھتا ہو (خیر خواہی کا اور بھلائی کا ارادہ رکھتا ہو))۔

تو یہ چار چیزیں ہیں علم ہے، سچائی ہے، فصاحت اور بیان ہے اور نیک ارادہ ہے اب اس کی دلیل کیا ہے (ان چیزوں کی دلیل کیا ہے)؟

1-یہ تو ہم سمجھ چکے ہیں کہ جب یہ چار چیزیں کسی خبر میں پائی جائیں تو خبر کو تسلیم کرنا اسے سچ کرنا اسے قبول کرنا واجب ہو جاتا ہے، تو پہلی کی دلیل یعنی علم کی دلیل اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَرَبُّكَ أَعْلَمُ بِمَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ ۗ وَلَقَدْ فَضَّلْنَا بَعْضَ النَّبِيّٖنَ عَلٰى بَعْضٍ﴾ إلى آخر الآية (الاسراء: 55)

﴿وَرَبُّكَ أَعْلَمُ بِمَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ﴾ (اور تیرا ربّ سب سے زیادہ علم رکھنے والا ہے جو کچھ بھی آسمانوں اور زمین میں ہے)۔ اور اس میں اللہ تعالیٰ کا اپنی ذات کے تعلق سے علم بھی شامل ہے۔

اور اللہ تعالیٰ ہمارے بارے میں ہم سے زیادہ علم رکھتے ہیں "فهو أعلم بنفسه وبغيره"، بغیرہ میں ہم بھی شامل ہیں، زمین و آسمان اور پوری کائنات شامل ہے۔

کیا کائنات میں کوئی ایسی ذات ہے جو تمام مخلوقات کا علم اس مخلوق سے زیادہ جانتی ہو اللہ تعالیٰ کے سوا؟

انسان عقلمند ہے سمجھدار ہے، مکلف مخلوق ہے، بڑی سوجھ بوجھ رکھنے والا ہے، دانشور ہے، اپنے بارے میں جتنا انسان خود جانتا ہے کتنا جانتا ہے اور اس کا ربّ اس کے بارے میں کتنا جانتا ہے کوئی انسان جان نہیں سکتا جتنا علم حاصل کر لے۔

چھوٹی سی مثال ہماری روح کو دیکھ لیں آپ روح کیا ہے؟ کیا جانتے ہیں ہم روح کے بارے میں؟ ہم سائنس میں اتنی ترقی کر چکے ہیں کہ ایٹم کے اندر جا کر بھی گھس کر دیکھا ہے اس کے اندر کیا ہے وہ کہاں سے بنتا ہے اور کیا ہوتا ہے، اور آسمانوں کی اتنی لمبی اڑان کی ہے کہ گلیکسز(Galaxies)اور اس کے بعد پتہ نہیں کہاں تک پہنچ گئے ہیں! لوگ سورج تک تھے اب سورج سے بڑے سیارے بھی آ گئے ہیں، اُس سے بڑے بھی آ گئے ہیں، اُس سے بڑے بھی آ گئے ہیں۔ اس متمدن انسان سے اگر یہ سوال کریں کہ اے انسان! وہ کون سی چیز ہے تیرے جسم کے اندر جس کے نکلنے سے تو مٹی کا ڈھیر بن جاتا ہے؟ تو سَر پکڑ کر بیٹھ جاتا ہے آج تک اسے نہیں پتہ کہ روح کیا ہے (سبحان اللہ)!

تو اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے اور سب سے بہتر جانتا ہے وہ یہاں تک بھی جانتا ہے (ہم نہیں جانتے کل ہمارے ساتھ کیا ہونے والا ہے ہمارا مستقبل کیا ہے، اندازہ لگا سکتے ہیں لیکن یقیناً کوئی کہہ نہیں سکتا) اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے ہمارا مستقبل کیا ہے کل کیا ہونے والا ہے، اس کے بعد کیا ہونے والا ہے، مرنے کے بعد کیا ہونے والا ہے انجام کیا ہونے والا ہے۔

تو علم کی جب ہم بات کرتے ہیں تو اس کا موازنہ کر نہیں سکتے نا ہم کوئی تناسب نہیں ہے خالق اور مخلوق کا۔

"کلمة ﴿أَعْلَمُ﴾" پھر ہم بات کرتے ہیں شیخ ابن عثیمین رحمہ اللہ فرماتے ہیں ﴿أَعْلَمُ﴾ اسم تفضیل ہے بعض علماء نے یہ کہا ہے ﴿أَعْلَمُ﴾ سے مراد عالم ہے کہ عالم تفضیل ہے اور تفضیل کے لیے ایک سے زیادہ ہونا چاہیے جس میں مفاضلت ہوتی ہے کہ کون زیادہ بہتر علم رکھتا ہے، اور اس میں برابری کا اندیشہ ہوتا ہے شائبہ ہوتا ہے کہ اس کے پاس بھی علم ہے اس کے پاس بھی علم ہے اب اس کے پاس اس سے زیادہ علم ہے تو کہے گا برابری تو آ گئی نا۔ اس لیے بعض علماء نے ﴿أَعْلَمُ﴾ اسم تفضیل کو چھوڑ کر کہا ﴿أَعْلَمُ﴾ سے مراد عالم ہے (وہ اس سے بچنا چاہتا تھا)۔ یعنی اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ﴿إِنَّ رَبَّكَ هُوَ أَعْلَمُ بِمَنْ ضَلَّ عَنْ سَبِيلِهِ وَهُوَ أَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِينَ﴾ (النحل:125)۔

شیخ صاحب فرماتے ہیں بعض لوگوں نے اس کی تفسیریوں کی ہے (بعض علماء نے) ''أی: هو عالم بمن ضل عن سبيله وهو عالم بالمهتدين''، کیونکہ تفضیل میں اشتراک ہوتا ہے مفضل والمفضل عليه دونوں کا کچھ قدر اشتراک ہوتا ہے اور یہ اللہ تعالیٰ کے لیے جائز نہیں ہے لیکن "عالم" اسم فاعل ہے اس میں کوئی مقارنۃ اور تفضیل ہے ہی نہیں اس لیے عالم ان کے نزدیک بہتر ہے جو یہ بات کرتے ہیں۔

شیخ ابن عثیمین رحمہ اللہ فرماتے ہیں ''فنقول له: هذا غلط'' یہ غلط ہے، اللہ تعالیٰ اپنے تعلق سے فرماتا ہے ﴿أَعْلَمُ﴾ اور تم یہ کہتے ہو کہ عالم ہے۔ اگر ﴿أَعْلَمُ﴾ کو عالم سے ہم تفسیر کریں تو پھر اللہ تعالیٰ کے علم میں بڑائی ہوتی ہے یا پستی ہوتی ہے ؟! (سبحان اللہ)۔ ''فقد حططنا من قدر علم الله'' (بے قدری ہے اللہ تعالیٰ کے علم کی کوئی قدر باقی نہیں رہتی)۔ وہ کیسے ؟ کیونکہ عالم جو ہے اس میں برابری کا لفظ ہے " یہ بھی عالم وہ بھی عالم "۔ افضل کون ہے دونوں میں ؟ افضلیت کی کچھ بات ہی نہیں ہے نا مخلوق بھی عالم خالق بھی عالم ! اس میں برابری کا معنی پایا جاتا ہے، لیکن ﴿أَعْلَمُ﴾ میں کہ برابر ہو ہی نہیں سکتے ایک مفضل ہے ایک مفضل علیہ ہے اور علم میں اللہ تعالیٰ کے برابر کوئی ہو نہیں سکتا کسی بھی صفت میں۔ سب سے بڑے عالم سے بھی زیادہ علم رکھنے والے اللہ تعالیٰ ہیں اور صفت کے اعتبار سے زیادہ کمال عالم نہیں ہے ﴿أَعْلَمُ﴾ میں ہے اسم تفضیل میں ہے۔

اور ہم یہ بھی کہتے ہیں (شیخ صاحب فرماتے ہیں) اُس شخص کو کہ عربی لغت کے اعتبار سے اسم فاعل میں برابری کا وصف باقی رہتا ہے ممانعت نہیں ہوتی لیکن اسم تفضیل میں برابری اور مشارکت جو ہے یقینی طور پر ختم ہو جاتی ہے اس کا امتناع ہو جاتا ہے۔

اور یہ بھی کہتے ہیں (شیخ صاحب فرماتے ہیں) ہم جب مقارنۃ کرتے ہیں تو مقارنے میں کوئی حرج نہیں ہے اَعلم کی جب ہم بات کرتے ہیں کہ اسم تفضیل کو جب استعمال کیا جاتا ہے یا استعمال کرتے ہیں، اس وقت بھی یہ استعمال ہوتا ہے جس پر تفضیل کی جا رہی ہے وہ اس سے کورا ہو (اس کے پاس وہ چیز ہو ہی نہیں) تب بھی اسم تفضیل استعمال ہوتا ہے (سبحان

اللہ)، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ﴿اَصۡحٰبُ الۡجَنَّةِ يَوۡمَئِذٍ خَيۡرٌ مُّسۡتَقَرًّا وَّاَحۡسَنُ مَقِيۡلًا﴾ (الفرقان:24)۔ ﴿اَحۡسَنُ مَقِيۡلًا﴾ کیا ہے یہ؟ اسم تفضیل ہے جنت میں زیادہ بلند درجے پر ہیں۔

اب اسم تفضیل استعمال کیا ہے ﴿اَحۡسَنُ مَقِيۡلًا﴾، مقیل جگہ یا قیلولے سے لیا گیا ہے یا وہ وقت آرام کا وقت بہتر ہے جس پر تفضیل کی جا رہی ہے وہ کون ہے؟ أہل النار (جہنمی جو ہیں)۔ کیا جہنمیوں کو کبھی کوئی سکون ذرّہ برابر بھی مل سکتا ہے؟ کوئی آرام کا تصور کیا جا سکتا ہے؟ نہیں۔ یعنی وہ اس صفت سے بالکل کورے ہیں صفت ان کے پاس ہے ہی نہیں۔اس کے باوجود بھی اسم تفضیل استعمال ہوا کہ نہیں؟ اسم تفضیل ہے۔

تو اسم تفضیل سے لازمی نہیں ہے کہ اس صفت میں کوئی قدر اشتراک ہو اس کے بغیر بھی عربی لغت میں اسم تفضیل استعمال ہوتا ہے،اور جب مجادلہ ہوتا ہے مباحثہ ہوتا ہے مخالف کے ساتھ تو اس پر حجت قائم کرنے کے لیے یا اس کی حجت کو توڑنے کے لیے یہ جائز ہے کہ اسم تفضیل کو استعمال کیا جائے جب کہ جس پر تفضیل کی جا رہی ہے اس کے پاس کچھ بھی نہ ہو اس صفت سے جس پر اسم تفضیل استعمال کیا گیا ہے۔

اس کی اور مثال دیکھیں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ﴿آٰللّٰهُ خَيۡرٌ اَمَّا يُشۡرِكُوۡنَ﴾ (کیا اللہ تعالیٰ بہتر ہے یا وہ جن وک یہ شریک ٹھہراتے ہیں؟)(النمل:59)،اسم تفضیل ہے یہاں پر بھی معنی اسی کا ہے۔((اب جس کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک ٹھہراتے ہیں چاہے پتھر ہو درخت ہو، درند ہو پرند ہو، نبی ہو یا ولی ہو کوئی بھی ہو شریک ٹھہرایا گیا ہے برابر انہوں نے کیا ہے اب اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں دونوں میں سے کون بہتر ہے جب کہ کوئی قدر اشتراک ہے ہی نہیں سوال ہی نہیں پیدا ہوتا))۔اور یہ معلوم ہے (شیخ صاحب فرماتے ہیں) کہ جس کو شریک ٹھہراتے ہیں اس میں کوئی خیر نہیں ہے۔

شرک میں کہاں پر خیر ہے؟! لیکن لفظ خیر کا ہے ﴿آٰللّٰهُ خَيۡرٌ اَمَّا يُشۡرِكُوۡنَ﴾ تو شرک میں کوئی خیر ہے؟ سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔

"وقال یوسف (علیه السلام)" (سورۃ یوسف میں سیدنا یوسف علیہ الصلاۃ والسلام کی زبانی اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے) ﴿ءَاَرۡبَابٌ مُّتَفَرِّقُوۡنَ خَيۡرٌ اَمِ اللّٰهُ الۡوَاحِدُ الۡقَهَّارُ﴾ (یوسف:39) "والأرباب ليس فيها خير" مختلف ربوب میں (ارباب میں) کوئی خیر ہے؟!۔((اللہ تعالیٰ کا کیا ارشاد ہے؟ ﴿ءَاَرۡبَابٌ مُّتَفَرِّقُوۡنَ خَيۡرٌ اَمِ اللّٰهُ الۡوَاحِدُ الۡقَهَّارُ﴾، سبحان اللہ))۔

تو اسم تفضیل میں "فالحاصل" حاصل یہ ہے (شیخ صاحب فرماتے ہیں) کہ ﴿اَعۡلَمُ﴾ جو اللہ تعالیٰ کی کتاب میں موجود ہے اس کا حقیقی معنی مراد ہے اسم تفضیل ہی مراد ہے اور جس نے "عالم" سے تفسیر کی ہے تو اس سے بہت بڑی غلطی ہوئی ہے (مغالطہ ہوا ہے) اس سے خطاء ہوئی ہے معنی کے اعتبار سے بھی اور لغت کے اعتبار سے بھی (سبحان اللہ)۔

((یہ پہلی بات ہے علم کے تعلق سے))۔

2-دوسری بات یا دوسرا وصف یہ ہے "الصدق" (سچائی) اور اس کی دلیل میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ﴿وَمَنۡ اَصۡدَقُ مِنَ اللّٰهِ قِيۡلًا﴾ (یعنی کوئی بھی اللہ تعالیٰ سے بڑھ کر سچا نہیں ہے) (النساء:122)، اور سچائی کا مطلب ہے واقع کی مطابقت (وہ کلام وہ بات جو واقع کے مطابق ہو مخالف نہ ہو)۔ اور اللہ تعالیٰ کا جو پاک کلام ہے اس سے بڑھ کر کس کی بات واقع کے مطابق ہوگی؟! جو خبر اللہ تعالیٰ نے دی ہے وہ سچی ہے بلکہ سب سے زیادہ سچی ہے۔

3-تیسرا وصف خبر کو قبول کرنے کے لیے "البیان والفصاحة" (فصاحت اور بیان جو ہے) اور اس کی دلیل میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ﴿وَمَنۡ اَصۡدَقُ مِنَ اللّٰهِ حَدِيۡثًا﴾ (النساء:87)، اور حدیث کی سچائی اور حسن حدیث میں حسن لفظوی اور حسن معنوی دونوں شامل ہیں۔

4-اور چوتھا وصف جو ہے "سلامة القصد والإرادة" (نیک ارادہ جو ہے) "قوله تعالى" (اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے) ﴿يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمۡ اَنۡ تَضِلُّوۡا﴾ إلى آخر الآية (اللہ تعالیٰ تمہارے لیے بیان فرماتا ہے تاکہ تم گمراہی سے بچ جاؤ) (النساء:176)۔

اور دوسری آیت میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ﴿يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُبَيِّنَ لَكُمْ وَيَهْدِيَكُمْ سُنَنَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ﴾ إلى آخر الآية (اللہ تعالیٰ ارادہ رکھتا ہے تاکہ تمہارے لیے کھول کر بیان کردے اور تمہیں ہدایت دے رہنمائی کرے اُن کے راستوں کی جو تم سے پہلے گزر چکے ہیں) (النساء:26)۔

شیخ صاحب فرماتے ہیں (شیخ ابن عثیمین رحمہ اللہ) "فاجتمع في كلام الله الأوصاف الأربعة التي توجب قبول الخبر" (اللہ تعالیٰ کے کلام میں یہ چاروں اوصاف جمع ہو چکے ہیں جو خبر کو قبول کرنے کو واجب کر دیتے ہیں)۔

یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو بھی خبر ہمیں ملتی ہے اسے قبول کرنا واجب ہے شرعاً وعقلاً اور لغت میں بھی آگیا ہے۔ اگر کوئی شخص کہے ہم کیوں مانیں؟ تو ہم کہیں گے ٹھیک ہے یہ اصول ہے کسی کی بات کو قبول کرنے کا کسی خبر کو قبول کرنے کا، یہ اصول لغت اور عقل کے اعتبار سے رکھے گئے ہیں شریعت کو چھوڑ دیں آپ۔ نہیں مانتے شریعت کو چلیں تو پھر عقلی دلیل تم مانتے ہو عقل کو آگے کرتے ہو!

جب کوئی بھی شخص کوئی خبر دیتا ہے اسے قبول کرنے کے لیے کن چیزوں کی ضرورت پڑتی ہے جب وہ پائی جائیں تو پھر خبر کو قبول کرنا واجب ہو جاتا ہے؟ ان چاروں کے سوا کوئی چیز ہے علم ہے، سچائی ہے، فصاحت اور بلاغت ہے اور بیان ہے بہترین انداز ہے، اور نیک ارادہ ہو؟۔ جب یہ چار چیزیں مل جائیں اب جو خبر کو قبول نہیں کرتا اب اس کی عقل اس کے دل میں خرابی ہے کہ نہیں؟ ہٹ دھرمی ہے کہ نہیں؟ یعنی خبر کو قبول نہ کرنے کی وجہ کیا بچتی ہے؟!

یہ بہت عمدہ قاعدہ ہے میں بتا رہا ہوں کیونکہ آگے اسی بنیاد پر بہت ساری باتیں ہونی ہیں۔ یعنی یہ اصول بتایا جا رہا ہے ایک قاعدے اور اساس کے طور پر کہ اسماء وصفات کا انکار کرنے والے عقلاً بھی مار کھا چکے ہیں! اللہ تعالیٰ کے اسماء وصفات کا انکار کرنے والے عقلانی قسم کے لوگ جو عقل کو نقل پر مقدم کرنے والے ہیں عقل سے ہی وہ مار کھا گئے اُن کے پاس کوئی جواب باقی نہیں رہتا! آگے ایک دو مثالیں آئیں گی بڑی خوبصورت مثالیں ہیں آپ اُن کو ہر صفت پر بھی استعمال کر سکتے ہیں کہ جب بھی کوئی انکار کرے آپ یہ قاعدہ لے کر آئیں یہاں پر واللہ وہ نکل نہیں سکے گا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا کیونکہ عقل وہ آگے کرتے ہیں ہم نقل کو آگے کرتے ہیں (نصوص کو آگے کرتے ہیں) تو عقل سے پکڑیں گے اُن کو نا۔

ایک دو مثالیں دیکھیں بڑی پیاری مثالیں ہیں پھر شیخ صاحب فرماتے ہیں، اور جب بات اس طریقے کی ہے جیسے ہم بیان کر چکے ہیں تو پھر ہمارے اوپر یہ واجب ہے کہ ہم اللہ تعالیٰ کے کلام کو قبول کریں جیسا کہ ہے اور اس میں ہمیں کوئی شک بھی نہیں ہونا چاہیے نہ کلام میں نہ اس کے مدلول میں جس طرف وہ دلالت کر رہا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا یہ کلام جو ہے وہ اس لیے نہیں ہے تاکہ لوگوں کو گمراہ کیا جائے (مخلوق کو گمراہ کیا جائے) لیکن یہ اس لیے ہے کہ اُن لوگوں کو ہدایت دی جائے اور رہنمائی کی جائے۔ اور اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام کا آغاز اپنے نفس سے اپنی ذات کے تعلق سے کیا ہے یا کسی اور کے تعلق سے؟ جب اللہ تعالیٰ کوئی بھی کلام فرماتا ہے چاہے اپنی ذات کے تعلق سے ہو یا کسی اور کے تعلق سے ہو تو اللہ تعالیٰ سب سے زیادہ علم رکھنے والے ہیں بات کرنے والوں میں سے اور سچائی کے علاوہ کچھ اور احتمال ہو ہی نہیں سکتا یا کوئی اور بات ہو ہی نہیں سکتی اور اللہ تعالیٰ کا جو کلام ہے وہ غیر فصیح ہو ہی نہیں سکتا (فصاحت اور بلاغت کی انتہا ہے)، اور اگر جن وانس سب جمع ہو جائیں کہ اللہ تعالیٰ کے کلام کی طرح کوئی کلام لے کر آئیں وہ کبھی ایسا کر نہیں سکیں گے ایسی استطاعت (طاقت) رکھتے نہیں ہیں اور جب یہ چار چیزیں کسی کلام میں مل جائیں تو پھر مخاطب پر واجب ہے کہ اسے قبول کرے۔

اس کی مثال دیکھیں ذرا شیخ صاحب فرماتے ہیں:

اللہ تعالیٰ نے ابلیس کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا ﴿مَا مَنَعَكَ اَنْ تَسْجُدَ لِمَا خَلَقْتُ بِيَدَيَّ﴾ ((یہ آیت یاد رکھیں اللہ تعالیٰ کے ہاتھ کی صفت کا یہ ثبوت ہے) اے ابلیس! تمہیں کس چیز نے منع کیا کہ تو اسے سجدہ کرے جسے میں نے اپنے دونوں ہاتھوں سے پیدا کیا ہے)(ص:75)۔

تو کسی نے کہا (شیخ صاحب فرماتے ہیں) کہ "اس آیت میں اللہ تعالیٰ کے دو ہاتھ ثابت ہوتے ہیں جس سے اللہ تعالیٰ جسے چاہے پیدا کرے اور ہم اس کو ثابت کرتے ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ کا کلام جو ہے اور علم، سچائی اور احسن الکلام، اور سب سے زیادہ فصیح اور بیان کی بنیاد پر ہو اور حقیقت میں ہاتھ نہیں ہیں لیکن اللہ تعالیٰ نے لوگوں سے یہی چاہا ہے اُن کا یہ عقیدہ ہو کہ اللہ تعالیٰ کے دو ہاتھ ہیں (اللہ کے ہاتھ ہیں)"۔ شیخ صاحب فرماتے ہیں اگر اس کو فرض کر دیا جائے یہ بات جو کہنے والا ہے وہ ٹھیک ہے تو اس بات سے یہ بات لازم آتی ہے (نعوذ باللہ) کہ قرآن مجید میں گمراہی کا سبق ہے (یا نعوذ باللہ

قرآن مجید گمراہی ہے) کیونکہ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا ایسا وصف ہے جو اللہ تعالیٰ میں نہیں ہے۔ اور یہ ممتنع ہے (ناممکن ہے)اور جب بات ایسی ہے تو پھر واجب یہ ہے کہ ہم اللہ تعالیٰ پر ایمان لائیں کہ اللہ تعالیٰ کے دو ہاتھ ہیں جن سے اللہ تعالیٰ نے سیدنا آدم علیہ الصلاۃ والسلام کو پیدا کیا ہے۔

اور اگر آپ یہ کہتے ہیں کہ ہاتھ سے مراد نعمت یا قدرت ہے یا طاقت ہے تو ہم یہ کہتے ہیں یہ ممکن نہیں ہے کہ یہی مراد ہے اللہ تعالیٰ کے اس پاک کلام سے ،اِلا یہ کہ تم یہ جرأت کرو اپنے ربّ پر اور اللہ تعالیٰ کے اس کلام کو ایسے وصف سے بیان کرو جو ان چار اوصاف کے مخالف ہے جو ہم بیان کر چکے ہیں۔

پھر ہم یہ کہتے ہیں (یہ بہت اہم بات ہے جس کا میں نے بتایا ہے مثال کے طور پر شیخ صاحب فرماتے ہیں) کہ جب اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا ہے ﴿بِيَدَيَّ﴾ (اپنے دونوں ہاتھوں سے) کیا اللہ تعالیٰ یہ جانتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے دو ہاتھ ہیں کہ نہیں؟ جواب میں کیا کہے گا؟ جس نے یہ اعتراض کیا ہے جواب میں کیا کہے گا؟ ''هو عالم'' یقیناً اللہ تعالیٰ علم رکھتا ہے کہ جو اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے وہ علم کی بنیاد پر فرمایا ہے اور علم کی اساس پر فرمایا ہے نا تو لازماً وہ کہے گا ''فسيقول: هو عالم''(اللہ عالم ہے)۔

پھر ہم کہتے ہیں کیا اللہ تعالیٰ سچا ہے کہ نہیں؟ جواب کیا ہو گا؟ سچا ہے بے شک،اور کبھی یہ نہیں کہہ سکتے کہ عالم نہیں ہے یا سچا نہیں ہے(اس سے کفر لازم آتا ہے پتہ ہے اس لیے وہ کہہ نہیں سکے گا)۔

اور یہ بھی نہیں کہہ سکتا کہ اللہ تعالیٰ نے جب یہ بیان کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ بیان کے قابل نہیں تھا یا بیان کرتے ہوئے کوئی نقص تھا جو اللہ تعالیٰ چاہتا تھا وہ بیان نہ کر سکا۔(کیا یہ کہہ سکتا ہے؟ یہ بھی نہیں کہہ سکتا)۔

اور یہ بھی نہیں کہہ سکتا کہ اللہ تعالیٰ نے لوگوں سے اس چیز کا ارادہ کیا ہے ایمان لانے کا جو وہ چاہتا نہیں تھا،اُن صفات کا ارادہ کیا ہے اللہ تعالیٰ نے لوگوں سے ماننا جو اللہ تعالیٰ کی صفات ہی نہیں ہیں تاکہ وہ گمراہ ہو جائیں(نعوذ باللہ)۔

پھر ہم اسے کہیں گے جب یہ بات ہے تو تمہیں کون سی چیز ہے جو منع کرتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے دو ہاتھوں کو ثابت کرو؟! بس اللہ تعالیٰ سے توبہ استغفار کرو اور یہ کہو''وقل: آمنت بما أخبر الله به عن نفسه'' (اور یہ کہو کہ میں ایمان رکھتا ہوں ہر اس چیز پر جو اللہ تعالیٰ نے خبر دی ہے اپنی ذات کے تعلق سے)۔کیوں؟''لأنه أعلم بنفسه وبغيره، وأصدق قيلاً،

وأحسن حديثاً من غيره وأتم إرادة من غيره أيضاً"((کیوں ہمیں ایمان رکھنا چاہیے ؟) کیونکہ اللہ تعالیٰ نے خبر دی ہے اپنی ذات کے تعلق سے کیونکہ سب سے زیادہ علم رکھنے والے ہیں سب سے زیادہ سچے ہیں اور سب سے زیادہ فصاحت اور بلاغت رکھنے والے ہیں اور سب سے زیادہ نیک ارادہ رکھتے ہیں بھلائی کا ارادہ رکھتے ہیں دوسروں سے)۔

((تو یہ قاعدہ ہے اس میں کوئی بھی صفت ہو اس پر آپ تول کر دیکھیں))۔

اللہ تعالیٰ کا چہرہ ہے کوئی انکار کرتا ہے یہیں سے آکر پکڑو جب اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا چہرہ ہے علم تھا کہ نہیں تھا؟ علم ہے کہ نہیں ہے یا بغیر علم کے ہے؟ علم ہے۔ سچ ہے کہ نہیں؟ کیا اللہ تعالیٰ بیان نہیں کر سکتے؟ کیا بیان میں کوئی نقص ہے (نعوذ باللہ) کوئی عیب ہے کہ بتانا کچھ چاہتے تھے کچھ اور بتادیا؟! سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ کیا مخلوق کی بھلائی کا ارادہ رکھتے ہیں کہ نہیں؟ تو پھر مانتے کیوں نہیں ہو؟ (سبحان اللہ)۔

اسی طریقے سے جتنی بھی صفات ہیں اللہ تعالیٰ کی آپ اس ترازو پر تول کر دیکھیں اور عقلاً اور لغت کے اعتبار سے مار کھا جائیں (جتنے مخالفین بھی ہیں)۔

جو کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ عرش پر مستوی نہیں ہے ہر جگہ موجود ہے یہیں سے پکڑیں۔

((اور بھی دیکھیں دلائل بہت سارے ہیں اور بھی کافی قواعد ہیں لیکن یہاں پر اُن کے پاس کوئی دلیل باقی نہیں رہتی))۔

پھر شیخ صاحب فرماتے ہیں، اس لیے مصنف نے (رحمہ اللہ) ان تین اوصاف سے بات کو بیان کیا ہے اور ہم چوتھا وصف جو ہے جو ارادے کا ہے (نیک ارادے کا) وہ ہم نے اس میں شامل کیا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ﴿يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُبَيِّنَ لَكُمْ وَيَهْدِيَكُمْ سُنَنَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ﴾ ((یہ آیت ہم پہلے بیان کر چکے ہیں))۔

پھر شیخ ابن عثیمین رحمہ اللہ فرماتے ہیں "ثم رسله صادقون" (پھر اللہ تعالیٰ کے رسول جو ہیں وہ سچے ہیں)۔

یعنی ایک تو اللہ تعالیٰ کے لیے بات ہو گئی ہے۔ اسماء وصفات اللہ تعالیٰ کے کس نے بیان کیے ہیں؟ ہمارا ایمان کیا ہے سب سے پہلا قاعدہ کہ ہر نص جو قرآن مجید اور صحیح حدیث میں ہے اسے نص کہتے ہیں نا؟ تو قرآن مجید کی ایک تو بات ہم کر چکے ہیں اچھا صحیح حدیث کیا ہے؟ اللہ تعالیٰ کے پیارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان ہے اور آپ صلی اللہ علیہ

وآلہ وسلم سے پہلے جتنے بھی انبیاء گزرے ہیں انہوں نے اللہ تعالیٰ کے اسماء وصفات کا ذکر کیا ہے اس لیے فرمایا ہے ''ثم رسله صادقون''۔ پھر اللہ تعالیٰ تو سچا ہے اور سارے اوصاف اللہ تعالیٰ میں موجود ہیں جو بیان کیے گئے ہیں تو خبر کو قبول کرنا لازمی ہے جو بھی خبر سنتا ہے اچھا جنہوں نے بھی یہ خبر ہمیں دی ہے اللہ تعالیٰ سے وہ کون ہیں؟ اللہ کے رسول ہیں۔ وہ کیسے ہیں؟ اب اللہ تعالیٰ کے بعد مخلوقات میں سے سب سے زیادہ حق ان چار صفات میں سے کون رکھتا ہے اللہ کے رسول ہیں کہ نہیں؟

اس لیے فرمایا''ثم رسله صادقون''(پھر اللہ کے رسول جو ہیں وہ سچے ہیں)۔اور صادق سے مراد سچا کون ہے؟''الصادق: المخبر بما طابق الواقع'' (جو خبر دیتا ہے واقع کے مطابق اسے سچا کہتے ہیں)۔ تمام رسول جو ہیں وہ سچے ہیں ہر اس بات پر یا ہر اس خبر پر جو وہ دیتے ہیں لیکن سند ثابت ہونی چاہیے رسولوں تک جو سند ہے۔ اگر کوئی شخص یہ کہے کہ یہودیوں نے کہا کہ "سیدنا موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام نے یہ اور وہ بات کی ہے یا فلان فلان بات کی ہے" ہم نہیں مانیں گے جب تک کہ ہم سند کو نہیں دیکھیں گے اور صحیح سند سیدنا موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام تک نہیں جائے گی ہم مانیں گے نہیں۔ اگر نصاریٰ کہتے ہیں کہ سیدنا عیسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام نے یہ بات کی اور وہ بات کی ہے''كذا وكذا، فلا نقبل''ہم قبول نہیں کریں گے جب تک کہ صحیح سند سیدنا عیسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام تک نہیں دیکھیں گے۔ اور اگر کوئی شخص یہ کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے پیارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ فرمایا ہے، تو ہم کہیں گے ہم نہیں مانیں گے جب تک کہ صحیح سند نہیں دیکھیں گے اللہ تعالیٰ کے پیارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک۔

رسول خود سچے ہیں جو کچھ وہ فرماتے ہیں اُن میں سچے ہیں اور جو بھی خبر دیتے ہیں اُن کی خبر سچی ہوتی ہے اللہ تعالیٰ کے تعلق سے یا کسی اور بات کے تعلق سے ہمیشہ سچے ہیں اور کبھی جھوٹے ہو ہی نہیں سکتے۔

اس لیے علماء کا اجماع ہے (شیخ صاحب فرماتے ہیں) کہ یہ جو اللہ کے رسول ہیں (علیہم الصلاۃ والسلام) معصوم ہیں جھوٹ سے (اور ہر کبیرہ گناہ سے)۔ یعنی قاعدہ جو ہے یہ ہے اہل سنت والجماعت کا یہ عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے جو رسول ہیں (علیہم الصلاۃ والسلام) معصوم ہیں معصوم عن الخطاء ہیں۔ "معصوم" یعنی کبیرہ گناہ جتنے بھی ہیں سب سے معصوم ہیں کیونکہ وحی نازل ہوتی ہے اور اس سے (وحی سے) وہ گناہوں سے بچ جاتے ہیں (معصوم ہیں)۔

پھر فرمایا" مصدوقون"،یعنی شیخ ابن عثیمین رحمہ اللہ فرماتے ہیں" ثم رسله صادقون مصدوقون"۔مصدوقون یا مصدقون سے مراد یہ دو نسخے ہیں جن میں ایک "مصدوقون ہے "اور دوسرا "مصدقون" ہے یعنی سچے بھی ہیں اور اُن کو سچا بھی کیا گیا ہے اُن کی باتیں بھی سچی ہیں اور اُن کو سچا بھی کہا گیا ہے۔اس کا معنی یہ ہے کہ جو وحی اُن پر نازل ہوئی وہ سچ ہے اور مصدوق وہ ہے جس کی خبر سچی ہو اور سچ لے کر آئے اور اس کی بات کو مان لیا جائے،اور اس میں اللہ تعالیٰ کے پیارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جب ابوہریرہ (رضی اللہ عنہ) نے یہ فرمایا کہ چور والا قصہ جو خزانے سے چور آتا اور چرا کر لے جاتا تھا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا یہ شیطان ہے اور اس شیطان نے خود کہا تھا کہ اگر آپ آیت الکرسی پڑھیں گے تو میں دوبارہ نہیں آسکوں گا۔تو اسی حدیث کا حوالہ دے کر شیخ صاحب فرماتے ہیں (شیخ ابن عثیمین رحمہ اللہ) کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے" صدقك وهو كذوب"۔یہ صحیح بخاری کی روایت میں موجود ہے یعنی اس سے مراد کیا ہے؟یعنی خبر سچی دی ہے جب کہ وہ جھوٹا ہے (یہ خبر اس کی سچی ہے)۔

اور رسولوں کے تعلق سے شیخ صاحب فرماتے ہیں" مصدوقون" جو کچھ بھی وحی نازل ہوئی ہے اُن پر وہ سچ ہے نہ تو جس نے خبر دی ہے یا رسالت دی ہے وہ جھوٹا ہے اور نہ ہی جس کو خبر دی جارہی ہے (علیہم الصلاۃ والسلام) وہ جھوٹے ہیں۔یعنی جو وحی لے کر آتا ہے اللہ تعالیٰ سے وہ کون ہے؟اللہ تعالیٰ کے فرشتے سیدنا جبریل علیہ الصلاۃ والسلام وہ سچا ہے، خبر دینے والا اللہ تعالیٰ سچا ہے،یہ خبر یا رسالت انبیاء تک پہنچانے والا سچا ہے اور اللہ تعالیٰ کے رسول سارے کے سارے سچے ہیں۔

اس لیے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ﴿إِنَّهُۥ لَقَوۡلُ رَسُولٖ كَرِيمٖ ۝١٩ ذِي قُوَّةٍ عِندَ ذِي ٱلۡعَرۡشِ مَكِينٖ ۝٢٠ مُّطَاعٖ ثَمَّ أَمِينٖ ۝٢١﴾ (التکویر:19-21)۔

دوسرے نسخے میں "مصدقون" ہے (مصدوقون ایک نسخے میں ہے عقیدۃ الواسطیۃ کے،دوسرے نسخے میں مصدقون ہے) اور اس سے مراد یہ ہے کہ ان کے اُمتیوں پر (یعنی جو رسولوں کے اُمتی ہیں) واجب ہے اُن کو تصدیق کریں اور اُن کی خبر کو سچ مانیں،اور "مصدوقون" میں شرعاً وہ سچے ہیں یعنی واجب ہے شرعاً کہ اُن کی بات کو مانا جائے،جس نے رسولوں کو جھٹلایا ہے تو وہ کافر ہے اور "مصدوقون" کا دوسرا بھی اعتبار ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اُن کو سچا ثابت کیا ہے اور یعنی

رسولوں نے جو ہے اپنے قول و فعل سے اس سچ کو ثابت کیا ہے اور اللہ تعالیٰ نے بھی اس کی گواہی دی ہے، اور اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد اپنے پیارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نسبت ﴿لٰكِنِ اللّٰهُ يَشْهَدُ بِمَآ اَنْزَلَ اِلَيْكَ﴾ (النساء:166)، اور دوسری آیت میں ﴿وَاللّٰهُ يَعْلَمُ اِنَّكَ لَرَسُوْلُهٗ﴾ (المنافقون:1)، یہ تصدیق قول سے ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے اپنے رسولوں کی تصدیق قول سے بھی فرمائی ہے اور فعل سے بھی کہ رسول سچے ہیں۔

قول کی دلیل کیا ہے؟ ﴿وَاللّٰهُ يَعْلَمُ اِنَّكَ لَرَسُوْلُهٗ﴾ (اور اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے کہ آپ اللہ کے رسول ہیں (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم))۔

اور سورۃ النساء کی آیت میں ﴿لٰكِنِ اللّٰهُ يَشْهَدُ بِمَآ اَنْزَلَ اِلَيْكَ﴾ ((سبحان اللہ) اور اللہ تعالیٰ گواہی دیتا ہے (یعنی خوب جانتا ہے اور گواہی بھی دیتا ہے) جو کچھ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نازل کیا ہے)۔

اور فعل سے جو تصدیق ہے وہ تمکین ہے اور آیات کو ظاہر کرنا ہے کیونکہ رسول لوگوں کی طرف آتا ہے اور اسلام کی طرف بلاتا ہے جو نہیں قبول کرتے تو جزیہ اُن پر رکھ دیا جاتا ہے، اگر تب بھی قبول نہیں کرتے تو اُن کا خون جو ہے وہ حلال ہو جاتا ہے (یعنی اُن کو قتل کرنا جائز ہو جاتا ہے)، اُن کا خون اور جو عزت و آبرو عورتیں ہیں اور اُن کا مال جو ہے وہ حلال ہو جاتا ہے۔ تو یہ تمکین اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے زمین فتح ہو جاتی ہے ایک کے بعد دوسری اور اس طریقے سے یہاں تک کہ جو رسالت ہے اللہ تعالیٰ کے پیارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وہ مشرق سے مغرب تک پہنچ گئی ہے (اس کا نور جو ہے)۔ تو یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے تصدیق فعل سے ہے کہ نہیں؟ (سبحان اللہ)۔

دشمن جتنا بھی زیادہ طاقتور ہو اب تمام انبیاء کو دیکھ لیں (علیہم الصلاۃ والسلام) سب سے بڑا دشمن سب سے بڑا طاقتور اپنے زمانے کا سب سے بڑا مخالف، اور ہر حربہ استعمال کیا ہے اس رسول کے خلاف۔ قتل کرنے کی کوشش کی گئی ناکام! تکلیف پہنچانے کی کوشش کی گئی کہ دعوت کا خاتمہ ہو ناکام! انجام کیا ہوا؟ سب سے بُرا انجام اس سب سے بڑے طاقتور کا ہوا۔ فرعون کو دیکھ لیں، نمرود کو دیکھ لیں اور قریش میں ابو جہل کو دیکھ لیں ابو لہب کو دیکھ لیں ﴿تَبَّتْ يَدَآ اَبِيْ

﴿لَهَبٍ وَّتَبَّ﴾(المسد:1)،زندگی میں یہ خبر اُس نے سنی ہے خود کہ میں ہلاک ہو چکا ہوں بات ہی ختم ہے!(سبحان اللہ)۔

یہ جو تمکین ہے یہ جو عزت ہے یہ جو غلبہ ہے کس کے حکم سے ہے؟ اگر نبی سچا نہ ہوتا جھوٹا ہوتا تو پھر یہ کیسے ممکن ہے کہ ہر نبی ہر رسول کامیاب ہو اور سب سے بڑے دشمن پر اُس کا غلبہ ہو؟ (سبحان اللہ)۔تو یہ فعل کے اعتبار سے تائید ہے اللہ تعالیٰ کی اور تصدیق ہے اپنے پیارے پیغمبر علیہم الصلاۃ والسلام کی۔

اور اسی طریقے سے جو آیات ہیں چاہے شرعی ہوں یا کونی آیات ہوں،یعنی جو شرعی آیات ہیں مثال کے طور پر اب قرآن مجید ہے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے یعنی کوئی سوال کرتا ہے جواب اللہ تعالیٰ خود نازل فرماتا ہے(کئی مرتبہ ایسے ہوا) ﴿وَيَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الرُّوْحِ ۭ قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّيْ﴾۔جیسے یہودیوں نے ٹیسٹ کرنا چاہا اللہ تعالیٰ کے پیارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا کہ جہاں تک روح ہے اس کی خبر کسی کو بھی نہیں ہے تو انہوں نے کہا دیکھتے ہیں ہم پتہ چلتا ہے کہ کتنا بڑا سچا ہے،ہم سوال کرتے ہیں تو جواب کو دیکھتے ہیں اگر اپنی طرف سے کوئی جواب دے گا تو بندہ سچا نہیں جھوٹا ہے۔جواب میں کیا آیا؟﴿وَيَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الرُّوْحِ﴾(یہ سوال کرتے ہیں آپ سے اے میرے پیارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم!روح کے تعلق سے)﴿قُلِ﴾(ان کو کہہ دیں اے میرے پیارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)﴿الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّيْ﴾(روح میرے ربّ کے حکم سے ہے)(الاسراء:85)،سبحان اللہ۔

((یہ صحیح بخاری کی روایت ہے))۔

تواُن کو یقین ہو گیا لیکن پھر بھی ہٹ دھرمی دیکھیں قبول نہیں کیا اُن کو پتہ تھا کہ جواب یہی سہی ہے اس کے باوجود بھی (سبحان اللہ) ہٹ دھرم رہے!

تصدیق کہاں ہے رسول کی؟ سوال روح کا کیا یہودیوں نے وہی جواب اللہ تعالیٰ کی طرف سے آیا(یہ تصدیق ہے اپنے رسول کی کہ سوال کا جواب اللہ تعالیٰ کی طرف سے آیا ہے)۔

اور اسی طریقے سے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ﴿يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الشَّهْرِ الْحَرَامِ قِتَالٍ فِيْهِ﴾ (یہ سوال کرتے ہیں (یعنی مشرکین نے سوال کیا) کہ شہر الحرام میں قتال کرنے کا کیا کریں؟) ﴿قُلْ قِتَالٌ فِيْهِ كَبِيْرٌ وَصَدٌّ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَكُفْرٌۢ بِهٖ وَالْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَاِخْرَاجُ اَهْلِهٖ مِنْهُ اَكْبَرُ عِنْدَ اللّٰهِ﴾ إلى آخر الآیۃ (البقرۃ:217)۔

جو اَشھرالحُرم ہیں (حرام مہینے ہیں) کون سے ہیں؟ ذوالقعدہ ہے، ذوالحجہ ہے، محرم ہے، اور رجب ہے۔ یہ چار مہینے ہیں ان چار مہینوں میں حرمت ہے قتال کرنا جنگ کرنا جائز نہیں ہے ابتداءً، اگر کوئی جنگ پہلے سے جاری ہے تو کنٹنیو (Continue) کیا جا سکتا ہے لیکن جنگ کی ابتداء ان چار مہینوں میں دور جاہلیت میں بھی تعظیم کی جاتی تھی (اسلام سے پہلے کے ہیں حرمت کے مہینے) لیکن دین اسلام آیا تو اُن کو برقرار رکھا۔

تو شہر الحرام میں قتال کے بارے میں پوچھا ہے، فرمایا ﴿قُلْ قِتَالٌ فِيْهِ كَبِيْرٌ﴾ (بڑی بات ہے کبیرہ گناہ ہے) ﴿وَصَدٌّ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ﴾ (اور اللہ کے راستے کی رکاوٹ بھی ہے) ﴿وَكُفْرٌۢ بِهٖ﴾ (اور جھٹلانا) ﴿وَالْمَسْجِدِ الْحَرَامِ﴾، اس سے بڑی بات دیکھیں ﴿وَاِخْرَاجُ اَهْلِهٖ مِنْهُ اَكْبَرُ عِنْدَ اللّٰهِ﴾ (تم لوگ شہر الحرام کے بارے میں تو کہتے ہو کہ جنگ نہیں کرنی ہے مسجد الحرام میں جو تم الحاد کرتے ہو وہ، اور مسجد الحرام کے اہل جو ہیں مکہ سے جن لوگوں کو نکالا گیا ہے مسجد الحرام سے وہ اللہ کے نزدیک زیادہ بڑھ کر ہے (سبحان اللہ))۔

اور جواب میں کیا آیا ہے؟ ﴿قُلْ قِتَالٌ فِيْهِ﴾ شیخ صاحب فرماتے ہیں کہ سوال کرتے ہیں تصدیق پھر بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے آئی ہے۔

اور جو کونی آیات ہیں یہ تو بہت ہی ظاہر ہیں (شیخ صاحب فرماتے ہیں) جن سے اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کی تائید کی چاہے سبب کے لیے یا کسی بغیر سبب کے لیے ہوں اور یہ سیرت میں کافی موجود ہے (یعنی چاند کا دو ٹکڑے ہو جانا اور جتنی بھی آیات اور معجزات اللہ تعالیٰ نے رسولوں کو دیئے ہیں)۔

عصا موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام ہے یہ کس لیے ہے یہ تصدیق اپنے رسول کی ہے کہ نہیں؟ سیدنا عیسی علیہ الصلاۃ والسلام کی جو آیات ہیں معجزات ہیں (جن کو معجزہ کہا جاتا ہے صحیح لفظ آیات ہیں) اور سیدنا صالح علیہ الصلاۃ والسلام کی اونٹنی جو ہے یہ سب کیا ہیں؟ یہ وہ چیز ہے جو عقل کو عاجز کر دیتی ہے (خرق العادات چیزیں ہیں)۔ کس کے حکم سے ہیں؟ اللہ تعالیٰ کے حکم سے ہیں۔

اگر آپ یہ تصور کر سکتے ہیں کہ لاٹھی اژدھا بن جاتی ہے، وہی لاٹھی پانی میں سمندر میں ڈالیں تو سمندر کھل جاتا ہے۔ ﴿كَالطَّوْدِ الْعَظِيمِ﴾ (الشعراء: 63)، سمندر کا پہاڑ کبھی دیکھا ہے پہاڑ جیسا کھل جاتا ہے! اور یہی لاٹھی جب پتھر پر ماری جاتی ہے تو اس سے بارہ چشمے نکل جاتے ہیں (سبحان اللہ)۔

تو یہ تمام چیزیں کیا ہیں رسولوں کی تصدیق ہے کہ نہیں؟ تصدیق ہے رسولوں کی، یعنی رسولوں کی تصدیق اللہ تعالیٰ نے قولاً بھی فرمائی ہے فعلاً بھی فرمائی ہے اور اپنی آیات شرعیہ اور کونیہ سے بھی بیان فرمائی ہے خلاصۂ کلام یہ ہے۔

"بخلاف الذين يقولون عليه ما لا يعلمون": اُن کے خلاف ایک تو اللہ کا پاک کلام ہے جن میں چاروں اوصاف موجود ہیں (علم ہے، سچ ہے، فصاحت و بلاغت ہے اور نیک ارادہ ہے) پھر اللہ کے رسول ہیں جو صادق ہیں مصدوق ہیں مصدقون ہیں مصدوقون ہیں اور پھر جو اُن کے خلاف ہیں اِن کے علاوہ جو ہیں "بخلاف الذين يقولون عليه ما لا يعلمون" (اُن کے خلاف جو اللہ تعالیٰ پر ایسی باتیں کرتے ہیں جن کا علم نہیں رکھتے وہ)۔

شیخ ابن عثیمین رحمہ اللہ فرماتے ہیں، یہ جھوٹے ہیں یا گمراہ ہیں کیونکہ وہ بغیر علم کے بات کرتے ہیں اور یہاں پر یعنی شیخ صاحب فرماتے ہیں کہ شیخ الاسلام رحمہ اللہ کا اشارہ جو ہے وہ اہل التحریف کی طرف ہے کیونکہ جو اہل التحریف ہیں وہ اللہ تعالیٰ پر ایسی باتیں کرتے ہیں جو وہ نہیں جانتے دو اعتبار سے کیونکہ انہوں نے یہ کہا کہ اللہ تعالیٰ کا ارادہ یہ انہوں نے لیا اللہ تعالیٰ کے اس کلام سے تو چاہے نفی ہو یا ایجاب ہو دونوں میں بغیر علم کے بات کی ہے۔

یعنی مثال کے طور (شیخ صاحب فرماتے ہیں) اللہ تعالیٰ کا جو چہرہ ہے "یعنی اس سے حقیقی چہرہ اللہ تعالیٰ کی مراد نہیں ہے" تو اللہ تعالیٰ پر بغیر علم کے نفی کے اعتبار سے بات کی ہے، پھر کہا کہ "اللہ تعالیٰ کے چہرے سے مراد اُجر و ثواب ہے" اور یہاں پر ایجاب کے اعتبار سے بغیر علم کے بات کی ہے۔((یعنی نفی جب کی ہے اللہ تعالیٰ کے چہرے کا انکار کیا ہے نفی کی

ہے اور بغیر علم کے بات کی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے چہرے سے حقیقی چہرہ مراد نہیں ہے،اور جب تحریف کر کے چہرے کے بارے میں کہا کہ اس سے اُجر و ثواب مراد ہے کہ لفظ چہرہ جو اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے اس سے مراد اُجر و ثواب ہے،تو جس کو ثابت کیا ہے (ایجاب یعنی ثابت کیا ہے) اس پر بھی بغیر علم کے بات کی ہے))۔تو دونوں اعتبارات سے جو اہل التحریف ہیں بغیر علم کے بات کرتے ہیں اور یہ وہ لوگ ہیں جو اللہ تعالیٰ پر بغیر علم کے بات کرتے ہیں جو کبھی سچے نہیں ہو سکتے اور نہ ہی سچ کے قریب یعنی ہو سکتے ہیں بلکہ جو دلائل ہیں وہ اس پر قائم ہو چکے ہیں کہ وہ جھوٹے ہیں اور شیطان کی وحی پر عمل کرنے والے ہیں (نعوذ باللہ)۔

آج کے درس میں اتنا کافی ہے ان شاءاللہ اگلے درس میں جہاں پر رُکے ہیں یہیں سے درس کا آغاز کریں گے۔یعنی ابھی یہ صرف مقدمہ ہے عقیدۃ الواسطیۃ کا اور اصل بات ابھی شروع ہونے والی ہے لیکن یہ حسن تصنیف ہے اور وزارۃ العلم دیکھیں آپ شیخ الاسلام رحمہ اللہ کا کیونکہ معاملہ جو ہے اس زمانے میں اور آج تک دیکھیں عقیدے کے جو معاملات ہوتے ہیں تھوڑے پیچیدہ ہوتے ہیں بعض لوگوں کے لیے سمجھنا مشکل ہو جاتا ہے تو جو اچھا استاد ہوتا ہے سمجھانے کے لیے ایک خاص انداز اپناتا ہے اور خاص طریقے سے اس انفارمیشن (Information) کو یا خبر کو جو مشکل نظر آتی ہے بڑی آسانی سے جو ہے تیار کر کے پہنچا دیتا ہے۔

اب آگے یہ چیزیں جو تسلسل سے آرہی ہیں اگر شروع سے آپ دیکھیں تسلسل سے بڑے پیارے طریقے سے آرہی ہیں یعنی جو عقیدۃ الواسطیۃ ہے میں پہلے بھی عرض کر چکا ہوں ٹو تھرڈز (Two-thirds) اسماء وصفات پر ہے (تقریباً دو تہائی اسماء وصفات ہیں) باقی اور چیزیں آپ کی ہیں۔دیکھیں تقریباً اس میں دس اصول بیان کیے ہیں بارہ میں سے جو میں پہلے بیان کر چکا ہوں (دس یا بارہ اصول ہیں تقریباً) لیکن سب سے زیادہ جس چیز پر زور دیا گیا ہے وہ اللہ تعالیٰ کے اسماء وصفات ہیں کیونکہ اس زمانے میں سب سے زیادہ مسئلہ اسماء وصفات کے بارے میں تھا اور شیخ الاسلام رحمہ اللہ نے ایک طرف رافضی تھے پھر اہل التعطیل تھے،اہل التحریف اہل التفویض اس زمانے میں تقریباً ساری مصیبتیں تھیں ہر طرف سے گھیرا ہوا تھا! باہر کے دشمن اندر کے دشمن (باہر کے تاتاری تھے اور دوسرے تھے کرسچنز (Christians) وغیرہ وہ تھے،اور اندر کے جو ہیں یہ اہل التحریف اہل التعطیل اور تصوف،رافضی) سب عروج پر

تھا اور جب شکوک وشبہات بڑھ جائیں معاشرے میں اور حقائق خلط ملط ہو جائیں تو پھر اچھا استاد وہ ہوتا ہے اور عالم کے علم تب پتہ چلتا ہے کہ اس شخص کی کیا علمی حیثیت ہے جب ایسے پیچیدہ مسائل کو آسان ترین طریقے سے بہترین طریقے سے آپ کے سامنے رکھ دیتا ہے جہاں پر دو لوگوں کا آپس میں اختلاف نہ ہو سکے بعد میں۔

یہ صرف ابتداء ہے اور اگر آپ آہستہ آہستہ چلتے جائیں گے تو ان شاء اللہ اور ان حقائق کو جا کر صرف آپ ریوائز (Revise) کر لیں گے (ایک دفعہ (ریوائز) (Revise) کر لینا) کہ آج ہم نے پڑھا کیا ہے خلاصہ دیکھیں تو دس منٹ نہیں ہیں (ہمیں تقریباً چالیس منٹ سے زیادہ ہو گئے ہیں (غالباً) لیکن خلاصہ آپ دیکھیں گے تو دس منٹ پندرہ منٹ سے زیادہ آپ کو نہیں لگے گا)۔ آپ نوٹس لکھیں دوسرے بھائیوں نے نوٹس لکھے ہیں وت بڑے آسان ہو جائیں گے آپ نوٹس بنالیں کیونکہ کہنے کی باتیں بہت زیادہ ہیں کیونکہ بیچ میں کافی باتیں آجاتی ہیں مثالیں آجاتی ہیں اور میں باہر نہیں نکل سکتا میں کچھ اسکپ (Skip) کرنا چاہتا تھا چیزیں بیچ میں، خلاصے کے لیے مختصر کرنا چاہتا تھا (جیسے میں نے شروع میں تھا کہ میں مختصر کروں گا) لیکن اتنی پیاری باتیں ہیں کہ میں سچ بات ہے رہ نہیں سکا میں نے کہا یہ باتیں آپ سے شیئر ضرور کروں میں تاکہ کوئی بات باقی رہ نہ جائے کیونکہ شیخ ابن عثیمین رحمہ اللہ کی جو باتیں ہیں اُن میں بعض جگہ تکرار ہو جاتا ہے بعض جملے لیکن یہاں پر بعض ایسی چیزیں ہیں جو میں اسکپ (Skip) نہیں کر سکتا تھا۔

تو اس لیے تھوڑا سا ٹائم لگ جائے گا لیکن ایک دفعہ اگر آپ کو سمجھ آجائے گا (ان شاء اللہ) تو میں پہلے بھی عرض کر چکا ہوں کہ یہ وہ عقیدہ ہے جس سے زندگی بدل جاتی ہے اور بہت سارے مشکل مسائل اور پیچیدہ مسائل جو آپ باہر سے شاید نہیں سمجھ سکے کسی درس میں تو ان شاء اللہ اس کتاب کی شرح میں آپ کو وہ مسئلہ ان شاء اللہ کے حکم سے بہت ہی آسان لگے گا اور آپ کو یاد کرنے میں بھی آسانی ہو جائے گی۔ ((واللہ اعلم))۔

سُبْحَانَكَ اللَّهُمَّ وَبِحَمْدِكَ، أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلٰهَ إِلَّا أَنْتَ أَسْتَغْفِرُكَ وَأَتُوبُ إِلَيْكَ

یہ رسالہ ڈاکٹر مرتضیٰ بن بخش (حفظہ اللہ) کے آڈیو درس (19. العقیدۃ الواسطیۃ) سے لیا گیا ہے۔ سبق لسانی اور تعبیر کی غلطی کو درست نہیں کیا گیا ہے۔ قارئین کرام سے گزارش ہے کہ اگر کوئی اور غلطی نظر آئے تو ضرور آگاہ کریں اور اس خیر کے کام میں شامل ہو جائیں۔